تفہیم ہندومت سے متعلق مسلم مکاتبِ فکر کا علمی وتحقیقی جائزہ

An academic and analytical review of the Muslim school of thoughts regarding understanding Hinduism

مریم نورین*
ڈاکٹر ابظاہر خان**

Abstract

*The **history of religions makes it clear that if one looks at the scientific repository of Muslim thinkers in terms of understanding Hinduism, there are two types of scholars or writers in the Islamic history regarding Hinduism.** In the first category are the scholars whose purpose is to preach Islam and for this, they have adopted a preaching and debating style. We can call them contemporary preaching school of thought. The second category is a group of researchers whose aim is to portray **Hinduism in a scholastic and research style and carry out analytical study of Hinduism. This commentary or analytical** approach is generally made in an unbiased way in the academic context. We can call this group or category intellectual school of thought. However, there are some authors and books that are related to these two classes at the same time. In this article, the existing schools of thought of Muslim thinkers related to the study of Hinduism will be discussed.*

*Key Words: **Hinduism,** Category, Dawati, controversial style, Muslim*

*پی ایچ ڈی اسکالر، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور
**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

ہندومت فہم وادراک سے متعلق مسلم مفکرین میں دو قسم کے مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک "دعوتی مکتب فکر" ہے جبکہ دوسرا "علمی مکتب فکر" ہے۔

دعوتی مکاتب فکر

دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت

دعوت وتبلیغ دین اسلام کے اہم ترین فرائض میں سے ہے اور قرآن وحدیث کے کئی نصوص ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان پر حق کی شہادت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا لازم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1] (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے، بھلائی کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے)۔ دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[2] (تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں سے چنے گیے ہو (کیونکہ) تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو دعوت وتبلیغ کا جو طریقہ بتایا گیا وہ ان الفاظ میں مذکور ہے:﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[3] (یعنی (لوگوں کو) اپنے رب کے راستے پر بلانے کے لیے حکمت، عمدہ نصیحت اور مجادلۂ حسنہ سے کام لیجیے)۔ اگر کسی کو ایک آیت بھی معلوم ہو تو اسے دوسروں تک پہنچانا لازم ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول للہ ﷺ نے فرمایا:"بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً"[4] (مجھ سے ایک بھی آیت سنو تو اسے دوسروں تک پہنچاؤ)۔

دعوت وتبلیغ کی اسی اہمیت کے پیش نظر مسلمان جب اور جہاں کہیں بھی گئے، وہاں دینِ اسلام کی تبلیغ وترویج کا کام جاری رکھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد عہد نبوی ﷺ کے فوراً بعد سے شروع ہو جاتی ہے۔ سرزمینِ ہند میں قدم رکھتے ہی مسلمانوں نے روایتی طریقے کے مطابق دعوت وتبلیغ کا کام بھی شروع کیا جو ابتدائی سطح پر جاری رہا۔[5] تاریخ میں ایسی کسی سرگرمی نہیں ملتی جس میں علمی اعتبار سے ہندومت کی فہم کی شہادے پائی جاتی ہو۔ البیرونی نے ہندومت پر کتاب لکھی اور ابن بطوطہ سمیت کئی سیاحوں نے ہندوستان کے حالات قلم بند کیے لیکن کسی دعوتی نوعیت کے مکتب فکر کی بنیاد نہیں رکھی۔ تاہم مغلیہ دور میں بعض صوفیا کی جانب سے اس پر کچھ ابتدائی نوعیت کے افکار سامنے آنا شروع ہوئے۔ یہ افکار بالعموم تصوف سے تعلق رکھتے تھے جس کی انتہائی صورت عہد اکبر میں وحدتِ ادیان کی صورت میں سامنے آئی۔ لیکن برطانوی سامراج کے دور میں جب

دیگر مذہبی جماعتیں متحرک ہوئیں تو مسلم علماو مبلغین بھی اس جانب متوجہ ہوئے۔ اس ضمن میں دعوتی طرز کی پہلی کتاب علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی کی "سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان" تھی جس میں انہوں نے قرآن و حدیث، اخبار و آثار کی روشنی میں ہندوستان کے فضائل بیان کیے۔ اس کے بعد کئی ایسی کاوشیں نظر آتی ہیں جن میں فضائلِ ہند کی بنیاد پر نہ صرف ہندو مسلم اتحاد کا پرچار تھا بلکہ ہندو صحائف کی بنیاد پر دعوت کا کام بھی استوار کیا گیا۔ اس طرح ہندو مذہب کی فہم کا نیا سلسلہ شروع ہوا جس میں ہندو تعلیمات کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرکھا گیا اور اسی بنیاد پر انھیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ در حقیقت دعوتی فکر سے ہماری مراد وہی کتب ہیں جنھیں لکھنے کا منشاء خالصتاً اسلام کی دعوت رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے دو طرح کے اسلوب اختیار کیے گئے۔

- ہمدردانہ اسلوب
- مدافعانہ اسلوب

مشہور قادیانی مصنف عبدالحق ودیارتھی نے سن ۱۹۳۶ء میں ایک کتاب "میثاق النبیین" کے نام سے لکھی جس میں انہوں نے مذاہب عالم کی مقدس کتابوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات پیش کیں۔ اسی طرح علامہ شمس نوید عثمانی نے ہندوؤں کے متونِ مقدسہ کا تحقیقی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ہندو صحائف میں اسلامی تعلیمات موجود ہیں۔ مولانا کا دعوتی اسلوب انتہائی منفرد تھا انہوں نے ہندو روایات پر طعن وتشنیع کئے بغیر ہندوؤں کو دعوتِ فکر دی یہ خالص دعوتی اسلوب تھا۔ لیکن بدقسمتی سے برطانوی سامراج کے دور میں کئی محرکات کی وجہ سے یہ اسلوب زیادہ مقبولیت نہ پاسکا۔ اس لئے اس کے بعد لکھی جانے والی کتابوں میں مناظرانہ اسلوب غالب رہا۔

برصغیر پاک وہند میں اٹھارہویں صدی کے آخر اور اس کے بعد دور میں انگریزوں کا تسلط مستحکم ہو چکا تھا۔ ایک طرف انگریز سیاسی سطح پر ہندوؤں اور مسلمانوں پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر رہے تھے تو دوسری جانب مختلف عیسائی مشنریز کے ذریعے اپنے مذہب کی تبلیغ وترویج بھی کر رہے تھے۔ جس کا آغاز عہدِ اکبر میں ہو چکا تھا۔[6] عیسائی مبلغین اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں سے مناظرے کرتے اور ہندوستان میں رائج تمام مذاہب پر تنقیدی کتب بھی لکھتے۔ اس کے جواب میں ہندوؤں نے بھی اپنے مذہب کے دفاع میں کتابیں لکھنا شروع کیں، جو ابتدا میں عیسائیت تک محدود رہیں لیکن آریا سماج تحریک نے اسلام کی حقانیت پر بھی حرف آزمائی کی۔ اس تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی اور اس کے ہمنواؤں نے قرآنی تعلیمات پر

اعتراضات کیے اور سیرت نبوی ﷺ کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔ یہ حالات نہ صرف مسلم علماء کے لیے ہندومت کے مطالعے کا محرک بنے بلکہ انہیں مناظرانہ اسلوب کی طرف بھی مائل کیا۔ ان محرکات کے تحت لکھی جانے والی کتب میں اساطیری روایات پر تنقید، خرافات کی نشاندہی، الزامی جوابات اور مناظرانہ رجحان نمایاں ہے۔ اس کشمکش کا نتیجہ رہا ہے کہ اٹھارہویں صدی سے ہی اکثر مصنفین دعوتی اور مناظرانہ دونوں اسلوبوں کے موید رہے۔ بہر حال مولانا شمس نوید کے علاوہ دیگر مصنفین کی جانب سے دعوتی مقاصد میں مذکورہ دو زمرہ جات کے تحت لکھی جانے والی اہم کتب میں درج ذیل سر فہرست ہیں:

مدافعانہ اسلوب کی حامل کتب

تحفۃ الہند

تحفۃ الہند ہندومت پر لکھی جانے والی مشہور زمانہ کتاب ہے جس کے مصنف سابق ہندو وانت رام جن کا اسلامی نام مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی ہیں۔ اس کتاب کے سرورق پر لکھا ہے کہ بوٹا سنگھ نے بارہ سال کی عمر میں یہ کتاب پڑھ کر اسلام قبول کیا اور دنیائے افق پر امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے نام سے معروف ہوئے۔ اس کتاب میں مولانا نے مختلف پہلوؤں سے اسلام اور ہندومت کا تقابل پیش کیا ہے جو واقعاتی و حکایتی ہے۔ انھوں نے ہندوؤں کی اساطیری روایات کو ذکر کرنے کے بعد صحابہ اور اولیاء کے واقعات کو ذکر کیا ہے بعض مقامات پر سیرت النبی سے بھی مثالیں بیان کی ہیں۔ اس انداز میں تقابل کا مقصد ہنود کو یہ دعوت فکر دینا ہے کہ جس مذہب میں اس قدر غیر عقلی روایات ہوں، وہ کیونکر حق ہو سکتا ہے۔ مصنف حافظ شارق بھی ہندو کتبِ مقدسہ سے ان میں رائج شدہ منفی پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور ہنود کو دعوت دیتے ہوئے اس امر کو بخوبی استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ہندوؤں کی بڑی تعداد اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ کن توہمات پر یقین رکھتے ہیں، نیز نیوگ، ذات پات اور دیگر امور پر ان کی کوئی تنقیدی فکر نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ ضروری ہے ہنود کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ عقل و منطق کے میزان میں ان عقائد و نظریات کی کیا حیثیت ہے اور اس میں باہم کس طرح تضاد ہے۔[7]

کتاب تحفۃ الہند کا ماخذ بنیادی طور پر مہابھارت اور پران ہے۔ پرانوں میں سے پدم پران، شیو پران اور بھاگوت پران سر فہرست ہیں جن سے متعدد واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ تاہم مولانا عبید اللہ نے مختلف ہندو مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے۔

مولانا کو اس بات کا یقین ہے کہ ہندو کتب مقدسہ میں جو برے کام بزرگوں سے منسوب کیے گئے ہیں ان کی

نسبت درست نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں میں سے بعض بارگاہ الٰہی میں مقبول بھی ہوئے ہوں گے۔[8] چنانچہ ان کے بارے میں ان حکایات کو درست سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ متکلم اسلام مولانا قاسم نانوتوی بھی اسی خیال کے موئید رہے۔ ان کی سوانح میں ان سے یہ اقوال منسوب ہے کہ:

> کیا عجب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انھی نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا گیا۔۔۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے اور دلائل عقلی و نقلی اس کے مخالف ہیں' ایسے ہی کیا عجب ہے کہ شری کرشن اور شری رام چندر کی طرف بھی یہ دعویٰ (خدائی وغیرہ کا) بدروغ منسوب کر دیا گیا ہو۔۔۔ کیا عجب ہے کہ شری کرشن و شری رام چندر بھی ان عیوبِ مذکورہ سے مبّرا ہوں اوروں نے ان کے ذمے یہ تہمت (زنا و سرقہ) لگادی ہو[9]

انسانیت کا قاتل، ہندو دھرم

یہ کتاب مولانا امیر حمزہ صاحب کی ہے جو 1998 میں الصفہ پبلی کیشنز سے شایع ہوئی ہے۔ کتاب 112 صفحات پر مشتمل ہے جس کا موضوع مرکزی طور پر سماجی مسائل ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں زیادہ تر ہندوستان کے اُن سیاسی و سماجی مسائل پر بحث کی ہے جو براہ راست ہندو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کتاب خالصتا مناظرانہ اسلوب کی حامل ہے جس کا اندازہ "حرفِ مدعا" کے اس اقتباس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

> "ہندو دھرم اسلام کا دشمن ہے۔ ہندو مسلمان کا دشمن ہے۔ اسلام اپنے دشمن کا ہمدرد ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہمدرد کرنا چاہتے ہے لیکن ہمدردی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اپنے دشمن کی پہچان نہ کرادے چنانچہ قرآن نے اپنے مضامین میں مشرکین کا خوب تعارف کروایا ہے۔ اور یہ تعارف اسی لئے کروایا ہے تاکہ ہم اس سے آگاہ ہو کر اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔ قرآن کے اسی اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے راقم نے سندھ کے علاقے " تھر" میں ہندوؤں کے تہوار کو دیکھا۔ ان کے مندروں میں گیا۔ پنڈتوں اور بھگتوں سے ملا۔ ان کی کتابوں کو پڑھا اور پھر سفر نامے کی شکل میں ہندو دھرم کو صفحات پہ پیش کر دیا اب جو کوئی مسلمان کسی ہندو کے ساتھ ہمدردی یعنی اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہے تو وہ ہندو دھرم کا مطالعہ کر کے ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دے سکتا ہے۔ یہ کتاب پیش کر کے دعوت کا آغاز کر سکتا۔"[10]

ہمدردانہ اسلوب کی حامل کتب

ہندو کا ہمدرد

292 صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی مولانا امیر حمزہ کی تالیف ہے جو دار الاندلس سے شایع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ہمدردانہ اسلوب کی حامل ہے اور کتاب کا مقصد ہندوؤں کو اپنے مذہب پر دعوتِ فکر دینی ہے۔ کتاب کا اندازِ بیاں عام فہم ہے اور تحقیقی حوالہ جات سے مزین ہے۔ اس کتاب کا دلچسپ پہلو یہ ہے دعوتی انداز کے ساتھ ساتھ ہندومت کے حوالے سے تفصیلی معلومات بھی موجود ہیں تاہم اس کے ماخذ ثانوی ہیں۔ کتاب چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب توحید ورسالت کے بارے میں ہے جس میں مصنف نے اسلامی عقائد کو ہندو صحائف کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ کتاب کے اس ابتدائی باب میں وہ ویدوں سے توحید اور پران سے کلکی کے تصور پر زیادہ تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ ان کا منہج دعوتی اس لئے ہے کہ وہ ہنود کو پہلے توحید پر اتحاد کی دعوت دیتے ہیں ان کا تعلق سابقہ انبیاء کرام سے جوڑتے ہیں اور انھیں بتاتے ہیں کہ وہ توحید پرست قوم تھی پھر شرک میں مبتلاء ہوئی۔ بالعموم ہندومت پر لکھنے والے مورخین اور مصنفین نے دراوڑ قوم کے زوال کی کوئی توجیہہ بیان نہیں کی ہے، لیکن مولانا امیر حمزہ توحید کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ دراوڑ قوم کی تباہی کی وجہ در حقیقت اس کی مذہبی حالت تھی۔ موصوف لکھتے ہیں:

قارئین کرام! یہ ہے وہ بت پرست قوم جو اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی۔ یہ ہے وہ قوم جس کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی قدیم ترین مہذب قوم تھی! جی ہاں، مہذب اس لحاظ سے کہ مکانات پختہ، سیوریج سسٹم اور رہن سہن میں خوشحالی تھی مگر عقیدے کے اعتبار سے مشرک تھی اور معاشرتی اعتبار سے فاحشہ قوم تھی۔ اسی لیے یہ تباہ ہوگئی۔ اسی تہذیب کا دوسرا بڑا شہر پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر ساہیوال کے پہلو میں ہے۔ اس کا نام ہڑپہ شہر دریائے راوی کے کنارے تھا۔ اس شہر کی قوم بھی موئنجو داڑو کے شہر کی ہمعصر تھی اور انہی کی خصوصیات کی حامل تھی۔ میں نے یہ شہر اور اس کے آثار بھی دیکھے۔ یہ بھی مشرک اور فاحشہ قوم تھی۔ چنانچہ یہ بھی مٹادی گئی۔ کیا خوب حقیقت افروز تبصرہ کیا ہے۔[11]

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ﴾[12] ترجمہ: (کہہ دیجیے (میرے نبی ﷺ ان مشرکین مکہ سے) ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے۔ ان کا انجام کیسا ہوا؟ ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔)

مزید براں موصوف لکھتے ہیں کہ:

"ہندوستان کے یہ اصل باشندے جنہیں دراوڑ کہا جاتا ہے۔ یہ مشرک ہونے کی وجہ سے تباہ وبرباد کر دیئے گیے۔ اب یہ اللہ کی طرف سے کسی نازل ہونے والے عذاب سے تباہ کیے گیے یا کسی فاتح اور زورآور قوم کے ہاتھوں سے تباہ کر دیئے گیے؟ اللہ مختلف طریقوں سے تباہ کرتا ہے۔ کسی قوم کو کسی طریقے سے اور کسی قوم کو کسی انداز سے۔ دکھائی یہ دیتا ہے کہ دراوڑوں کو اللہ نے آریہ قوم کے ہاتھوں سے تباہ وبرباد کیا جو شمال مغرب کی طرف سے آئے تھے۔"[13]

مصنف نے اس کتاب کے ہر باب میں ہندو تصانیف میں موجود اسی قسم کے خلاف عقل، نامناسب، اور غیر معقول آراء کی تفصیلات درج کر کے ان پر تنقید کی ہے۔ اور مؤثر انداز میں ہندوؤں کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہندومت اور اسلام، مشترکہ اقدار اور تعامل کی تاریخ

136 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 2015 میں دارالمصحف لاہور سے شایع ہوئی ہے۔ جس کا مکمل عنوان ہے: "ہندومت اور اسلام، مشترکہ اقدار اور پیروکاروں کے باہمی تعامل کی تاریخ"۔ کتاب کی جلد بندی، املائی غلطیوں، اور ظاہری حالت جاذب نہ ہونے کے باوجود تحقیقی معیار کے اعتبار سے خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب میں مصنف نے ہندومت اور اسلام کے مشترکہ اقدار اور پیروکاروں کے تعامل کی مکمل تاریخ بیان کی ہے۔ اس کتاب کی اہم خاصیت یہ ہے کہ ایک تو اس میں غیر جانبداری کا عنصر نمایاں ہے اور دوسرا تحقیقی اسلوب کا خیال رکھا گیا ہے اور حوالہ جات بھی مکمل نقل کیے گئے ہیں۔

کتاب بنیادی طور پر تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ تاریخ پر مبنی ہے جس میں مصنف نے عہد نبوی سے لے کر دورِ حاضر تک دونوں کے تعامل کی مکمل تاریخ بیان کی ہے۔ اور تاریخ کے مطالعے سے قبل ہی وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہندو، مسلم دونوں قوموں کے اکثر مصنفین نے انتہائی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقائق مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمان مؤرخین نے ہر مسلمان بادشاہ کو عادل ومنصف اور پرہیز گار ثابت کیا ہے تو ہندو مؤرخین محمد بن قاسم، بہادر شاہ ظفر، ٹیپو سلطان میں سے ہر ایک کو ظالم وجابر اور لٹیرا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔[14] حالانکہ حقائق بالکل اس کے برخلاف ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

ان نام نہاد مؤرخین نے تاریخ کے ساتھ جو بددیانتی اور خطائیں کی؛ انھیں بعد کے مورخین نے قابل اعتبار مان من وعن قبول کر لیا ہے۔ ان مورخین کے مقلدین میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی شامل رہے ہیں۔ اپنے ہم مذہبوں کو ہیرو بنانے کی غرض سے تاریخ سے جو کچھ کیا ہے ہمیں اس سے معافی مانگ کر

تاریخ کا مطالعہ اپنے قومی تعصبات کے عینک اتار کر حقائق کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ ایسے مخلص اور دیانتدار مورخین سامنے آئیں جو اپنے تمام تر تعصبات کی عینک اُتار کر تاریخ کا مطالعہ ہر قسم کے نسلی، قومی و مذہبی تعصبات اور طرف داری کو الگ رکھ کر کریں۔ بالخصوص ایسی باتوں کو تاریخ کا درجہ نہ دیں جو فی الحقیقت تاریخ سے زیادہ افسانہ نگاری ہی کہلائے جانے کے مستحق ہے۔[15]

اس کے بعد مصنف نے عہد نبوی سے لے کر عصر حاضر تک کی مکمل تاریخ بیان کی ہے۔ جس میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ مسلم بادشاہوں میں سے کسی کا بے جا دفاع نہ کیا جائے اور نہ ہی بے جا الزامات قبول کر لیے جائیں۔ چنانچہ مصنف جہاں تاریخی واقعات اور شہادتوں کی روشنی میں اورنگزیب عالمگیر کا دفاع کرتے ہیں تو دوسری جانب وہ بعض مسلم سلاطین کی اخلاقی حالتِ زار پر بھی برملا تنقید کرتے ہیں۔ حافظ شارق نے اس کتاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تاریخ پر انتہائی اہم تحقیقی کام کیا ہے جو بے شمار حوالہ جات اور تاریخی شہادتوں سے مزین ہے۔

ہندومت کے فہم وادراک سے متعلق علمی مکاتبِ فکر

ہندومت سے متعلق علمی مکاتب فکر کے موسس ابو ریحان البیرونی ہیں جنہوں نے ہندومت پر مناظرانہ اسلوب کے بجائے علمی اسلوب کی پیروی کی اور ٹھوس علمی بنیادوں پر ہندومت کے افکار پر تنقید کرتے ہوئے ہندوؤں کے لیے غور و فکر کی راہ ہموار کی۔ ان کے بعد یہ اسلوب ہمیں برصغیر میں مفقود دکھائی دیتا ہے تا آنکہ شاعر مشرق اقبال کے کلام میں ہمیں ہندومت پر کچھ رجحان ساز پہلو نظر آتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ علامہ اقبال نے ہندوؤں کی کئی مقدس شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے جو یقینا ان کی وسیع النظری اور روشن خیالی کا آئینہ دار ہیں۔ علمی مکتب فکر کی فہرست میں ہم علامہ اقبال کو بلا تردد شامل کر سکتے ہیں، گو کہ انھوں نے ہندومت پر تفصیل سے نہیں لکھا، لیکن ان کے رشحات قلم سے ہندومت پر جو کچھ ظہور پذیر ہوا ہے وہ یقینا قابل تدبر ہے۔ ہمارے خیال میں ہندومت سے متعلق اقبال کے بے باک رجحانات دراصل ماقدم مسلم صوفیا کے زیر اثر تھا جنہوں نے ہندو شخصیات کے بارے میں انتہائی روادارانہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔ علامہ اقبال کو شاعرِ اسلام کی حیثیت جانا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی حیثیت آفاقی ہے۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی تہذیب کے لیے قلم اٹھایا بلکہ سرزمین ہند کے سپوت کی حیثیت سے یہاں کی ثقافت اور مذاہب پر بھی لکھا ہے۔ ان کا قلم جس خوبصورتی سے شبلی اور حلاج پر لکھتا ہے، اسی خوبصورتی سے انہوں نے دوسرے مذاہب کی شخصیات کو بھی اپنی شاعری میں خراج تحسین پیش کیا ہے جیسے گوتم بدھ، گرو نانک، رام چندرو غیرہ۔ اپنی شاعری میں شخصیات کے علاوہ دیگر مذاہب کی الٰہیات پر لکھا۔ لیکن ہندومت کو خاصی اہمیت دی ۔ جس سے

ان کی وسیع النظری اور فکری رجحانات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

علامہ کی شخصیت اور ان کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شروع سے ہی مذہبی رواداری، اتحاد اور بھائی چارہ قائم کرنے کے حامی رہے۔ آپ کی ابتدائی شاعری کا موضوعِ خاص اتحاد تھا۔ آپ کے حلقہ احباب میں ہندو، مسلمان، عیسائی اور دیگر اقوام کے ماننے والے شامل تھے۔ آپ نے ہمیشہ ہندو اور مسلمانوں کو آپس کے میل ملاپ کی وجہ سے قومی یگانگت کا درس دیا۔ کیونکہ علامہ کے نزدیک کوئی بھی مذہب برا نہیں اس لیے انہوں نے کسی بھی مذہب کے خلاف ایک حرف تک نہیں کہا۔ مگر اچھائی کے راستے پر چلنے کے خواہش مند رہے اور بُرائی سے بچنے کی دعائیں مانگتے رہے۔[16]

علامہ محمد اقبال نے جہاں مذہبی رواداری کے پیشِ نظر انگریزوں اور عیسائیوں کے کلام کو اردو جامہ پہنایا وہاں انہوں نے ہندو مذہب کی ہندو ویدانت، فلسفہ، اور دوسری مقدس کتب کے بعض حصّوں کی طرف خاص طور پر توجہ دی۔ سب سے پہلے شاعری کے میدان میں علامہ مرحوم نے ان کے مذہبی زبان ''سنسکرت'' سیکھنے کر اپنی شاعری کے لیے استفادہ کی نئی صورت پیدا کی۔ اپنے شاعری کے مجموعے ''بانگ درا'' میں سب سے پہلے ہنود کی مقدس کتاب ''وید'' کی مشہور دعا ''گائتری منتر'' کا آزاد اردو ترجمہ کیا۔[17] یہ دعا چاروں ویدوں میں پائی جاتی ہے۔ جس کو اس قدر مقدس سمجھا جاتا ہے کہ برہمن اس کو طہارت کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں پڑھتا۔ علامہ مرحوم نے نہ صرف ہندومت پر نظمیں لکھیں بلکہ اپنی شاعری میں سنسکرت زبان کے الفاظ ''منتر، شکتی، شوالہ، تیرتھوں، تیرتھ، سونی،، شانتی دہرتی، دیس، بھگتوں، مکتی اور پریت'' کا استعمال جس خوبصورتی اور دلفریب انداز سے کیا ہے اس پر خود ہندی شعراء رشک کناں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد اقبال کی وفات پر رابندر ناتھ ٹیگور نے درج ذیل الفاظ کہے:

> ''ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں، جس کا گھاؤ مدّت مدید میں بھی مندمل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رُتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔''[18]

علاوہ ازیں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے اس زمانے کے مشہور ہستیوں ''رام، سوامی رام تیرتھ اور نانک، وشوامتر اور بھرتری ہری'' کو یادگار نظموں سے خراجِ تحسین پیش کی ہے۔ ہنود کی مقبول ہستی ''رام چند'' کا ذکر نہایت ادب اور احترام کے ساتھ کیا ہے ان کی دیانتداری اور شجاعت کی تعریف بڑے پر اثر پیرائے میں کی۔ نظم ''سوامی رام تیرتھ'' میں سوامی جی جو فلسفہ وحدت الوجود کے حامی تھے کے انتقال پر علامہ نے ان کے اسی فلسفہ کو نمایاں کر کے خراج تحسین پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ اپنے مجموعہ کلام میں رام کو چراغِ ہدایت اور

امام ہند قرار دیتے ہیں تو گورونانک کو مرد کامل اور اگوتم بدھ کو گوہرِ یک دانا جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبد الحق مہر کی ہندو صنمیات اور دارالعلوم دیوبند کے محاضرات ہندوازم تفہیم ہندومت کے لیے اہم ماخذ کے طور پر سامنے آئی ہیں جن میں ہندو عقائد، نظریات، اور اساطیری روایات پر تحقیقی اسلوب میں بحث کی گئی ہے۔ بالخصوص اوّل الذکر کتاب ہندو صنمیات ہندومت پر ایک محققانہ دستاویز ہے جو مصنف نے جدید فلسفۂ مذاہب کی روشنی میں لکھی ہے۔ ڈاکٹر عبد الحق مہر کی اس کاوش کو علمی اسلوب کی حامل کتب میں ہم بلا تردد البیرونی کے بعد پہلی علمی کاوش قرار دے سکتے ہیں جس میں ہندوؤں کے مذہبی روایات کو انتہائی غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس اسلوب میں بعد میں لکھی جانے والی کتابیں ڈاکٹر مہر عبد الحق کی اس کتاب سے براہ راست متاثر دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کتاب اپنے عمدہ اسلوب اور تجزیاتی خوبیوں کی بدولت کتب کی اس فہرست میں نمایاں مقام رکھتی ہے جن کا تجزیہ ہم اس مقالے میں کر آئے ہیں۔ کتاب پر نگاہِ تدبر ڈالیں تو اس میں مندرجہ ذیل رجحان ساز خوبیاں نمایاں ہیں۔ یہ کتاب ہندو میتھالوجی کے حوالے سے اردو زبان میں بلاشبہ ایک مستند ترین انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

البیرونی کے بعد مسلم مصنفین کی کتابوں میں مناظرانہ اسلوب نمایاں ملتا ہے جو ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں نہیں پایا جاتا اس لیے یہ کاوش جدید علمی اسلوب کی بنیاد ہے جس کی پیروی بعد کے کئی محققین کی ہے۔

مغربی مصنفین کی طرح ڈاکٹر صاحب نے بھی جدید سماجی علوم میں ہونے والی تحقیقات کی روشنی میں ہندوؤں کی اساطیری روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ ہندو دیومالائی داستان بیان کرنے کے لیے مصنف نے مختلف کتبِ مقدسہ سے استفادہ کرنے کے بعد اس پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے۔[19]

محاضراتِ ہندوازم

ہندومت پر خالص علمی کام کرنے والوں میں ایک اہم نام مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب کا ہے جن کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ ان کی تصنیف ''محاضرہ علمیہ'' جو کم و بیش ۳۰۰ صفحات اور چار سلسلوں پر مشتمل ہیں۔ ہر سلسلہ میں ہندوازم کے حوالے سے علمی نوعیت کی گفتگو کی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے ہندو کتب مقدسہ کے ساتھ ہندو مصنفین و شارحین سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔

ہندو دھرم میں منوسمرتی معاشرت، معیشت، اخلاق، قانون اور دیگر حکومتی مسائل وامور پر مشتمل تصنیف ہے۔ جس میں دھرم اور عقائد کے امور پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کے ابواب ذکر کرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ:

"ان بارہ ابواب میں بیان کردہ احکام وہدایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی محنت اور ہوشیاری سے نظام معاشرت وحکومت اور دیگر اخلاقی وقانونی مسائل وامور کو مرتب شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اور اس کی روشنی میں کچھ ملکوں میں ملکی قوانین مرتب کیے گئے۔مثلاً نیپال وغیرہ میں۔اور اس کے اثرات کا اندازہ اس بات سے ہوا ہے کہ تمام تر ترقیوں اور جمہوریت وآزادی کے دور میں بھی ہندوستان میں منو کے قانون پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے طریقے بدل بدل کر۔"[20]

ہندومت کا تفصیلی مطالعہ

علمی مکتب فکر میں ایک اور اہم ترین لٹریچر حافظ محمد شارق کا ہے۔ہندومت پر حافظ شارق کی علمی کاوش کے بعد ایک نیا رنگ واسلوب تفہیمِ ہندومت میں ظہور پذیر ہوا ہے اور ایک نئے مکتب کی بنیاد پڑتی دکھائی دیتی ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جس علمی مکتب فکر کی بنیاد رکھی، جسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے آگے بڑھایا، اور دوسری جانب مولانا شمس نوید عثمانی نے بیسوی صدی میں ایک منفرد نوعیت کے دعوتی مکتب کی بنیادی استوار کی۔اکیسویں صدی کے حافظ شارق نے ان دونوں مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فکری وقلمی مساعی سے ایسے نئے اسلوب کی بنیاد رکھی جس میں ان دونوں مناہج سے اپنے اپنے دائرے میں بدرجہ اتم استفادہ کیا گیا ہے۔ایسا علمی وتحقیقی اسلوب جو دعوتی ودفاعی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے ناگزیر ہے۔اس کتاب پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اسلوب نہ صرف تفہیمِ ہندومت بلکہ مذاہب عالم کی تحقیق میں بھی مندرجہ ذیل تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہے:

قریب کے زمانے میں ہندومت پر لکھی جانے والی کتب میں دونوں رجحانات علیحدہ طور پر ملتے ہیں، دعوتی و مناظرانہ کتب میں تحقیق مفقود، اور تحقیقی کتب میں دعوت کا پہلو نہیں ملتا۔جبکہ بعض کتب جو دعوتی مقاصد کے پیش نظر لکھی گئیں، ان میں بھی تحقیر وتضحیک کا عنصر نمایاں تھا۔جبکہ اس نئے اسلوب میں علمی وتحقیق اور دعوتی رجحانات واضح طور پر بیک وقت ملتے ہیں۔لیکن مناظرانہ انداز اور تحقیر وتضحیک سے گریز کیا گیا ہے۔

حافظ شارق کے بعد ہندو الٰہیات کو غیر جانبدارانہ انداز میں اسلامی الٰہیات کی روشنی میں دیکھنے کا اچھوتا رجحان قائم ہوا ہے۔ان کی کتاب تفہیمِ ہندومت اس موضوع پر ایک قابل ذکر کاوش ہے۔

ہندومت کی تفہیم میں مصنفین ومحققین نے کتب سے شواہد اور دلائل فراہم کیے ہیں۔حافظ شارق محققین کی صف میں اس لحاظ سے بھی نمایاں ہیں کہ انھوں نے جدید علوم بالخصوص علم الآثار سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور انتہائی عرق ریزی سے حقائق کو پرکھ کر سامنے رکھا ہے۔البتہ اس اسلوب میں وہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ماضی میں تفہیم ہندومت میں مصنفین کے مذہبی ومسلکی میلانات بہت زیادہ نمایاں

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مصنفین نے ہندومت پر تنقید اسلامی نصوص کی روشنی میں کی ہے۔ حافظ محمد شارق نے اس عمومی رجحان کے برعکس ایک غیر جانبدارانہ اسلوب اپنایا ہے جس میں علمی و عقلی اور بسا اوقات خود ہندو دینیات کی بنیادوں پر تنقید و تجزیہ کیا ہے۔

خلاصہ بحث

اس مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بیسوی صدی میں تفہیم ہندومت کے حوالے سے دو مکاتب فکر سامنے آئے ہیں۔یعنی دعوتی مکتب فکر اور علمی مکتب فکر۔ علمی مکتب میں گو کہ کام بہت ہی محدود پیمانے پر ہوا ہے لیکن امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اس میں محققین کی آرا جدید تحقیقات کی روشنی میں پر مشتمل ہیں۔ جبکہ دعوتی مکتب فکر میں کام زیادہ وسیع پیمانے پر ہونے کے باوجود ان کے منہج ، ماخذ اور اور پیش کردہ مواد تقریبا یکساں ہے۔اس ضمن میں ہمیں یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ بیسویں صدی کے حالات یقینا دعوتی ضروریات کے متقاضی ہیں اور ہندوستان میں یہ ضرورت دوچند ہو جاتی ہے۔ جبکہ پاکستان میں صورت حال قدرے مختلف ہے۔ یہاں دعوت کے بجائے علمی ضرورت زیادہ سامنے آئی ہے تاہم مذہبی صحائف تک رسائی کے فقدان کی وجہ سے بہر حال یہ رفتار کم ہے۔

تاہم دعوتی مکاتب فکر میں مولانا شمس نوید عثمانی اور اور مولانا عبید اللہ کا کام درحقیقت اہمیت کا حامل ہے۔ تحفۃ الہند کا کام اپنے روایتی اور قدیم اسلوب کی وجہ سے نمایاں نہ ہو سکا، نیز کتاب میں تحقیقی طریقہ نہ اپنانے اور مناظرانہ اسلوب رکھنے کی وجہ سے یہ کتاب ایک بڑی تعداد کو اپیل کرنے سے قاصر رہی ہے، تاہم کوئی محقق اس کتاب کی تخریج اور ترتیب نو کا کام کر سکے تو بلاشبہ ایک بہترین تحقیقی کام سامنے آئے گا۔

References

[1] Aāl-imran:104

[2]Ibid,:110

[3] Al_Nahal:125

[4]170Bukharī,Abū Abdullah,Muḥāmmad Ismāil, Ṣḥīḥ Al Bukharī,Dār Tooq al Najāt 1st eidition1422,Hadiṭh no 3461, 4,Pg:170

[5] Fahmī,Shukat Alī, Hindostān Min Islamī Hkūmt, Jihān- e- elm wa Adab Rehmān Markīt Ghaznī Street Urdū Bazār lāhor Pakistān, pg:32

[6] Monīsrāt,Akbar ka Hindostān Trānslat by Dr Mubārik Alī Fkshion Hous lāhor

p19/Shāriq Muhammad (Hafiz)Hindūmat ka Tafsīli Mutālea Idāra Tahqīqāt Maḍhāhib, kitāb Maḥal Karāchi 2017, pg:88

[7] Shāriq Muḥammad (Ḥafiẓ) Hindū Mat Awr Islām ke Mushtarika Aqdār Awr perwo Kāron kī Tārīkh Dārul Mushf 37First flur Gohar Senter Wahdat Rod Near Muslim Town lahor October 2015, pg:124,125

[8] Ubaidullha Muḥmmad Tuḥfa al Hind, pg:17

[9] Gīlani,manāzir Ahsan Swānih e Qāsami ,Dārul ulūm Deuband Bhārat Vol2,pg:450 453

[10] Hamza Amir Insāniyt Ka Qātil Hindū Dhram Intikhāb Jdid prees18 Aibt road lāhor jun 1998, pg:10

[11] Ibid, Pg:86

[12] Ar-rūm:42

[13] Amir Hamza Mulāna, Hnndū kā Hmdrd dārul undlus lāhore, pg:87

[14] Hindūmat Awr Islām Mushtreka Aqdār Awr perwokāron ke T‘aāmul ki tarikh, Pg:16

[15] Ibid

[16] Aḥmad tuqīr(Dr khan), Iqbāl awr Hindostān, nai kitāb publishars24-D Abū al Faḍal Incleu pārt1 Jāmea Nagar ney Dehlī, 25oc 2007, pg:23

[17]Iqbāl awr Hindostān pg:24

[18]Iqbāl Muḥammad (dr), kūliyāt Iqbāl Nāẓim Iqbāl Akādmi istqlāl press pakistān lāhore1990, pg:14

[19] Somra Abdul haq (D.r),Hindū Ṣanmiyāt, Becan Books Gulgusht Multān Slāmat Iqbāl Pprenting Hoūs Eidistion1st 15oc 1988, Pg:5

[20]Numāni Abdul Hamīd,(nāẓim Nashar w ishā‘at) muḥāḍira Elmiya Dārululūm Deuband pg:48